۲۵

(فرمودہ ۲۲ فروری ۱۹۳۷ء بمقام عیدگاہ۔ قادیان)

عیدالاضحیہ ہمیں ایسی قربانیوں کی یاد دلاتی ہے جو انسانی احساسات کے لحاظ سے نازک ترین جذبات کی قربانیاں کہلاتی ہیں۔ دنیا میں انسان ہر روز ہی قربانیاں کرتا ہے۔ اور قربانیاں کرنے پر مجبور رہتا ہے اس میں نیک اور بد کی کوئی تمیز نہیں ہے محنتی اور آوارہ گرد میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ ایک با اصول اور عیاش انسان کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ کوئی اچھی چیز کے لئے قربانی کرتا ہے اور کوئی بری چیز کے لئے قربانی کرتا ہے۔ ان تمام قربانیوں پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بھاری قربانی انسان کے لئے اپنی اولاد کی قربانی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض انسان جن کی فطرتیں مرجاتی ہیں اور جو انسانیت سے خارج ہو جاتے ہیں ان میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے عیش اور اپنی لذت کی خاطر قربان کر دیتے ہیں لیکن یہ استثنائی وجود ہوتے ہیں اور درحقیقت اپنی مردہ فطرت کے لحاظ سے انسانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔

فطرت انسانی کا اصلی جوہر انسانوں کی اکثریت سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اگر ہم اپنے گرد و پیش کے حالات پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ انسان کی دنیوی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ننانوے فیصدی آدمی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ اپنی عمریں محض اپنی اولاد کی بہتری کی خاطر قربان کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک عجیب قسم کا نظارہ دنیا میں نظر آتا ہے کہ دادا بیٹے کے لئے اور بیٹا پوتے کے لئے اور دادی بیٹی کے لئے اور بیٹی نواسی کے لئے اپنی جان قربان کر رہے ہیں۔ اور یہ اوپر سے نیچے اترنے والی قربانی نہ زمانے کی قید سے واقف ہے نہ مذہب کی قید سے واقف ہے، نہ ملک کی قید سے واقف ہے، نہ علم کی قید سے واقف ہے، نہ زبان کی قید سے واقف ہے، نہ رنگوں کی قید سے واقف ہے۔ ایک مسلمان اور ایک عیسائی اور ایک ہندو، ایک کالا اور ایک گورا اور ایک زرد رنگ کا آدمی، ایک مرد اور ایک عورت، ایک ہندوستانی اور ایک انگریز اور ایک افریقی، ایک جاہل اور ایک پڑھا لکھا انسان، ایک سیدھا سادھا اور ایک فلاسفر اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اور اپنے کاموں کی تمام شاخوں میں بس ایک ہی دُھن میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اپنے آپ کو قربان کر دیں اور اس قربانی کے نتیجہ میں کچھ

عزت یا کچھ جائیداد یا کچھ روپیہ یا کچھ رتبہ یا کچھ آرام حاصل کر کے اپنی اولادوں کو ورثہ میں دے دیں۔ نہ آج اس کے خلاف کوئی بات نظر آتی ہے نہ پچھلی صدی میں اس کے خلاف لوگوں کا دستور تھا۔ نہ اس سے پہلی صدی کے لوگ اس کے خلاف تھے۔ نہ اس سے پہلی صدی کے نہ اس سے پہلی کے ۔ آج سے لے کر آدمؑ تک۔ آدم کا ہر بچہ اور حوّا کی ہر بیٹی سوائے اس کے جو انسانیت سے خارج ہو گیا ہو صرف ایک ہی کام میں مشغول نظر آتا ہے کہ اپنے آپ کو قربان کر دے اور اپنی اولاد کو آرام اور راحت بخشے۔ یہ عجیب مسلسل۔ پیہم اور متواتر قربانی ہے جس کی مثال شاید کسی اور جذبے میں ملنی مشکل ہو۔

پس یہ ایسی چیز نہیں ہے جو انسانی نگاہ سے اوجھل ہو۔ چلے جاؤ فلاسفروں کے گھروں میں یا چلے جاؤ اجڈ اور جاہل لوگوں کے گھروں میں۔ چلے جاؤ شہریوں کے گھروں میں یا چلے جاؤ گنواروں اور دور دراز گاؤں میں رہنے والوں کے گھروں میں۔ وہاں اس بات کا مشاہدہ کر کے دیکھ لو۔ کہ ایک باپ اور ایک ماں اپنی جان کی قیمت زیادہ سمجھتے ہیں یا اپنی اولاد کی قیمت زیادہ سمجھتے ہیں۔ تمہیں یہی نظر آئے گا کہ وہ سب کے سب الّا ماشاء اللہ اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہیں۔ اور پیدائش مخلوق کا ایک ہی مقصد ان کے سامنے ہے کہ وہ اپنی اولادوں کی راحت اور آرام اور ترقی کے سامان پیدا کریں اور اس امر میں غلطی کر سکتے ہیں کہ اولاد کو راحت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کوئی علم میں اس کی راحت سمجھتا ہو اور کوئی جہالت میں اور کوئی محنت میں ان کی راحت سمجھتا ہو اور کوئی آرام طلبی میں لیکن اپنے نقطۂ نگاہ کے ماتحت جس جس چیز کو وہ راحت اور آرام کا سبب سمجھتے ہیں اس چیز کو وہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی اولادوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ ماں اگر اپنے بچے کی بہتری اس میں خیال کرتی ہے کہ اس کی بیماری کے ایام میں ڈاکٹر کی کڑوی کڑوی دوائیں اس کو پلائے۔ تو وہ تمہیں اپنے بچے کی لاتیں اپنی لاتوں میں دبائے ہوئے اور اس کا سر اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے چمچے سے اس کے منہ میں دوائی ڈالتی ہوئی نظر آئے گی۔ اس کے بچے کے آنسو اس کی آنکھوں میں آنسو لا رہے ہوں گے اور اس کی تکلیف اس کے دل میں درد پیدا کر رہی ہو گی لیکن وہ اپنے فعل سے باز نہیں آئے گی کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ اس کے بچہ کی راحت اس دوا کے پلانے میں ہے۔ اسی طرح ایک جاہل عورت جو اس عارضی تکلیف کو بیماری کی مستقل تکلیف سے زیادہ سمجھتی ہے یا جس کا یہ خیال ہے کہ صحت تو خدا ہی کی طرف سے آتی ہے، دوائیاں تو صرف ایک بہانہ ہیں۔ قضا و قدر جس طرح جاری ہوئی ہے جاری ہو کر رہے گی تم اسے دیکھو گے کہ اپنے خاوند کی لائی ہوئی دوائی کو

وہ اپنے ہاتھوں سے پرے پھینک دے گی اور اپنے بچے کو اپنے گلے سے لپٹا کر پیار کرتے ہوئے کہیگی کہ میرے پیارے بچے تو رو نہیں میں تجھے دوائی نہیں پلاتی۔ یہاں عمل مختلف ہے مگر جذبہ ایک ہے۔ وہ تعلیم یافتہ عورت دوائی پلاتے وقت اور وہ جاہل عورت دوائی پھینکتے وقت ایک ہی روح سے متاثر ہو رہی تھیں ایک دوائی کے پلانے میں اپنے بچے کا آرام دیکھتی تھی تو دوسری دوائی کے پھینکنے میں اس کی راحت پاتی تھی پس تم اس قسم کے فرق تو ضرور دیکھو گے لیکن جذبہ کا فرق کہیں نظر نہ آئے گا۔ کالے اور گورے، مشرقی اور مغربی، جاہل اور عالم، مذہبی اور غیر مذہبی، ہر ایک قسم کے انسان کو اسی جذبے سے متاثر پاؤ گے اور ان کو اسی جذبہ کے ماتحت اپنی زندگیاں بسر کرتے ہوئے دیکھو گے۔ پس اولاد کی محبت ایک ایسا طبعی جذبہ ہے جو صرف دیوانوں اور انسانیت سے خارج انسانوں کے دلوں سے ہی باہر ہوتا ہے ورنہ ہر انسان اس سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے ماتحت اپنی زندگی کے اعمال بجالاتا ہے۔ خواہ خدا تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے خواہ صرف حیوانی جذبہ سے متاثر ہو کر۔

پس آج کی عید ہمیں اس جذبے کی قربانی کی طرف راہنمائی کرتی ہے جو انسانی جذبات میں سے قوی تر اور وسیع تر ہے۔ قوی ہے کہ اس سے زیادہ قوی کوئی اور انسانی جذبہ نہیں۔ اور وسیع ہے کہ اس سے زیادہ وسیع کوئی اور انسانی جذبہ نہیں۔ آج کے دن ہزاروں سال پہلے ابراہیمؑ نے خدا سے حکم پایا کہ وہ اس چیز کو جس کو دنیا سب سے زیادہ عزیز قرار دیتی ہے اور جس کی زندگی کے لئے دنیا بھر کے باپ اور ماں زندہ رہ رہے ہیں، وہ خدا کے لئے اسے قربان کر دے۔ ابراہیمؑ کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے رب سے یہ نہیں پوچھا کہ اے میرے خدا! یہ جذبۂ لطیف جو باپ کے دل میں اپنے بیٹے کی محبت کے متعلق پیدا ہوتا ہے یہ تو تیرا ہی پیدا کیا ہوا ہے اور ایک مقدس امانت ہے اس مقدس امانت کی قربانی کا مطالبہ کیا ایک غیر طبعی حکم نہیں ہے اور کیا اس ماں کے جذبات کو جس کی تمام امیدیں اس ایک نقطہ کے ساتھ وابستہ ہیں، ایک ایسی ٹھیس نہیں لگے گی جس کا ازالہ بالکل ناممکن ہو گا۔ ابراہیمؑ بھول گیا اپنے جذبات کو اور وہ بھول گیا ہاجرہ کے جذبات کو۔ وہ بھول گیا اپنے آباء کی ارواح کے جذبات کو جو ابراہیمؑ کے ذریعہ سے اپنی نسلوں کے دوام کی امیدوار تھیں اور ایک ایسی حالت میں جبکہ وہ بوڑھا تھا اور ایک ہی اس کی اولاد تھی وہ اس ایک ہی اولاد کو ایسے وقت میں جبکہ دوسری اولاد کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا بغیر ہچکچاہٹ کے بغیر سوال کے بغیر تشریح طلب کرنے کے بے چون وچرا۔ گویا کہ یہ ایک ایسا عام واقعہ ہے جس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں یا ایک ایسا فرض ہے

جیسے ہر انسان ہر روز ہی ادا کر رہا ہے اور اس میں کوئی اچنبھا نظر نہیں آتا۔ اس نے اپنے اکلوتے
بیٹے کو زمین پر گرایا۔ اور چھری اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ اور اس کام کو جو بظاہر خلافِ فطرت
نظر آتا ہے۔ ایسے شوق سے کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ گویا انسان پیدا ہی اس کام کے
لئے کیا گیا ہے۔ انسان ابراہیمؑ کے فعل کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اور چونکہ ابراہیمؑ کے
زمانہ کو ایک لمبا عرصہ گذر چکا ہے۔ ایک مذہب سے ناواقف اور ابراہیمؑ کی خوبیوں سے جاہل
انسان یہ خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید ابراہیمؑ (نعوذ باللہ) دیوانہ تھا، شاید
وہ انسانی جذبات سے عاری تھا شاید بنی نوع انسان میں وہ سب سے زیادہ سخت دل
اور سب سے زیادہ شقی القلب تھا۔ کہ اس چیز کی قربانی کے لئے آمادہ ہو گیا جس چیز کی قربانی
کے لئے ایک جاہل اور اجڈ انسان بھی تیار نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کے شک کو دُور
کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ
ابراہیمؑ تو بہت ہی دانا بڑا ہی نرم دل اور خدا تعالےٰ کا عشق رکھنے والا انسان تھا یعنی ایک ذرا
سی دُکھ درد کی بات دیکھ کر اس کے دل کو ٹھیس لگ جاتی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو اور
اس کے مونہہ سے آہیں نکلنے لگ جاتی تھیں۔ اور وہ تکلیف سے بے تاب ہو جاتا تھا۔

جب لوطؑ کی قوم پر عذاب آیا تو اللہ تعالےٰ نے وہ فرشتے جو اس عذاب کی تکمیل کے لئے
ارسال فرمائے خواہ وہ انسان تھے یا حقیقی ملائکہ تھے، مَیں اس موقعہ پر اس بحث میں نہیں پڑتا
وہ پہلے ابراہیمؑ ہی کے پاس آئے اور ان کو بتایا کہ اس اس طرح لوطؑ کی قوم پر عذاب آنیوالا ہے
اس وقت ابراہیمؑ کے قلب کی جو حالت ہوئی اور ان کافروں کے مارے جانے کی خبر پر جو دکھ
ان کو پہنچا۔ قرآن کریم میں اور بائیبل میں اس کا ذکر موجود ہے۔ شاید وہ مائیں بھی اس طرح بیتاب
نہ ہوئی ہوں گی جن کے بچے اس عذاب میں تباہ ہوئے۔ جس طرح ابراہیمؑ ان کی موت کی خبر
سُن کر بے تاب ہوُا۔ اور وہ لوگ جو اس کے ہم مذہب اور بھائی اور پھر ساتھ ہی عَلاّتی بھائی
یعنی ایک نبی کو دکھ دے رہے تھے اور ہر روز اسے ایذائیں پہنچا رہے تھے جب ان کی تباہی
کی خبر ابراہیمؑ کو سنائی گئی تو وہ خوش نہیں ہوُا۔ اس نے بے پرواہی بھی ظاہر نہیں کی وہ
گھبرا کر اٹھا اور اس نے اپنے خدا کے سامنے رو رو کر التجا شروع کی کہ اے میرے خدا۔ اے
میرے خدا! کیا تو اس شہر کو ہلاک کر دے گا۔ جبکہ اس میں تیرے نیک بندے بھی موجود ہیں۔
اور اگر ہزاروں بد ہیں تو سینکڑوں نیک بھی ہوں گے۔ تب خدا نے ابراہیم کے رحم اور اس کے
دکھ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ اے ابراہیم! مَیں تیری خاطر اگر سینکڑوں نیک بندے وہاں ہونگے
تو اس شہر کو بچا لوں گا۔ تب ابراہیمؑ نے سمجھا کہ شاید اس شہر میں سینکڑوں نیک بندے

موجود نہیں ہیں اور اس نے کہا۔ اے خدا! کیا اگر ایک سو نیک بندہ ہوگا تو تو اس کو تباہ ہونے دے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے کہا۔ نہیں اگر ایک سو نیک بندہ بھی ہوا تب بھی میں اس شہر کو تباہی سے بچالوں گا تب ابراہیمؑ نے سوچا شاید سو نیک بندہ بھی اس شہر میں نہیں ہے اور اس نے دعا کی! اے میرے خدا۔ اے میرے خدا! جو سو نیک بندوں کے لئے اس شہر کو بچانے کے لئے آمادہ ہے اگر صرف دس اس میں سے کم ہوں اور نوّے نیک بندے اس جگہ پر موجود ہوں تو کیا تیری سی رحیم ہستی صرف دس آدمیوں کی کمی کی وجہ سے اس شہر کو تباہ ہونے دے گی تب خدا نے کہا۔ اے ابراہیم! اگر نوّے نیک بندے بھی اس شہر میں موجود ہوئے تو میں تیری خاطر اس کو تباہی سے بچالوں گا تب ابراہیمؑ پھر نئے جوش سے دعا کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رحیم خدا۔ جو نوّے نیک بندوں کی خاطر اس علاقے کو بچانے کے لئے تیار ہے اگر صرف دس نیک بندے اس میں سے کم ہوں اور صرف اسّی نیک بندے اس میں پائے جائیں۔ اے میرے رب کیا تو اُن اسّی کی خاطر اس شہر کو نہیں بچائیگا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابراہیمؑ! میں ان اسّی کی خاطر بھی اس شہر کو بچالوں گا۔ اور ابراہیمؑ کی امید اور بھی کم ہوگئی اور وہ سمجھ گیا کہ اس شہر میں اسّی نیک بندے بھی موجود نہیں ہیں۔ مگر اس نے دعا نہ چھوڑی اور دس دس کے فرق کے ساتھ وہ خدا کی رحمت کو جوش میں لاتا گیا یہاں تک کہ آخری دعا اس کی یہ تھی کہ اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ دس نیک بندے بھی تو بڑی چیز ہیں۔ اگر دس نیک بندے اس شہر میں پائے جاتے ہوں تو اے میرے رب کیا تو اس شہر کو ہلاک ہونے دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ ابراہیمؑ میں تیرے درد کی خاطر دس نیک بندوں کی موجودگی میں بھی اس شہر کو بچالونگا لیکن ابراہیم اس میں تو دس نیک بندے بھی موجود نہیں۔ تب ابراہیمؑ نے سمجھ لیا کہ لوطؑ اور اس کی اولاد کے سوا اس شہر میں سے کوئی بچائے جانے کے قابل نہیں ہے اور اس نے جان لیا کہ ان کمزور اور گنہگار بندوں کے بچانے کے لئے جو لوطؑ کی بستیوں میں بستے تھے شفاعت کے تمام سامان ختم ہوگئے اور وہ اس بارے میں بالکل بے بس اور بے طاقت ہے اور وہ درد اور دُکھ کے ساتھ اپنی ہی جان کو ہلکان کرتا ہوا خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اور اس کے دل کا یہ درد اور اس کے جذبات کی یہ نزاکت اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ۔ ابراہیمؑ کو دیکھو کہ یہ ہمارا بندہ کیسا دانا۔ پھر کیسا دردمند ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر آہیں بھرنے لگ جاتا اور دُکھ اور تکلیف محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ اور ہمارا بھی کیسا عاشق ہے۔ یہ کیسے پیارے الفاظ ہیں جن میں خدا تعالیٰ ابراہیمؑ کو یاد کرتا ہے۔ اب اگر ہم تمثیل کی نگاہ سے

اس کو دیکھیں اور تمثیل کی زبان سے اس واقعہ کو بیان کریں۔ تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک محبت کرنے والی ماں ہے اور ابراہیمؑ ایک کمزور دل بچہ ہے جس نے ایک دردناک واقعہ دیکھا اور بلک بلک کر اپنی ماں کو چمٹ گیا۔ ماں اس کو ممنون کرنا چاہتی تھی مگر حالات سے مجبور تھی وہ واقعات کو تبدیل نہیں کر سکتی تھی مگر وہ اس کے دکھ کو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی اس موقعہ پر اس نے وہی کیا جو وہ کر سکتی تھی یعنی اس نے اس کو اپنے گلے سے لگا لیا اور پیار کرتے ہوئے بولی کہ ہائے میرا بچہ ہائے میرا بچہ! یہ کتنا نازک دل والا اور کتنا رحم والا ہے۔ لفظ مختصر ہیں مگر جذبات کا ایک وسیع سمندر پیچھے لہریں مار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانی جذبات سے بالا ہے۔ اور ہم اس کی صفات کی کیفیات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ مگر اس موقعہ پر جب خدا نے ابراہیمؑ کے لئے حَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ کے الفاظ استعمال کئے تو اس وقت اس کی صفت شفقت اور صفت رأفت جس جوش میں ظاہر ہو رہی ہوگی وہ ایسی کیف انگیز ہے کہ ہم گو الفاظ میں اس کو بیان نہ کر سکیں لیکن ہمارے دل اس کی لذت سے آشنا ہیں۔ اور ہمارے قلوب اس سے مزا لے رہے ہیں اور ہم پر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جو خدا کے لئے تکلیف اٹھاتا ہے خدا تعالیٰ بھی اس کے لئے ایک ایسی صفت کا اظہار فرماتا ہے۔ کہ گو الفاظ میں یہ کہنا بے ادبی ہوگی مگر وہ کچھ ایسی ہی چیز ہوتی ہے کہ جس طرح ماں کا دل اپنے بچہ کی تکلیف کو دیکھ کر خون ہو جاتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کا دل بھی ابراہیمؑ کی تکلیف کو دیکھ کر درد سے بھر گیا۔ یہ تمثیلی زبان ہوگی اور حقیقت سے کوسوں دُور۔ لیکن ہمارے پاس اور کوئی الفاظ بھی تو نہیں کہ جن سے اس حقیقت کا کوئی قریب تر نقشہ کھینچ سکیں۔ یہ تمثیل خواہ کوسوں دور ہو مگر اس حقیقت کے بیان کرنے کے لئے قریب ترین ہے۔ اور شاید انسانی ذہن اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کے سمجھنے کے لئے اس سے زیادہ اور الفاظ کے ذریعہ حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کو باپ کی صورت میں پیش کیا ہے[۵۶]۔ اور بعض مذاہب نے ماں کی صورت میں[۵۷]۔ اسلام نے ایسی تمثیلوں سے اجتناب کیا ہے مگر پھر بھی وہ یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکا کہ خدا کا تعلق اس کے بندہ سے اپنے باپ اور اپنی ماں اور اپنے دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ قریب کا ہے[۵۸]۔ شاید میں اپنے اصل مضمون سے کسی قدر دُور ہو گیا ہوں۔ مگر جذباتی دنیا کا یہی حال ہوتا ہے۔ انسان جذبات کے تابع ہوتا ہے نہ کہ جذبات انسان کے۔ پس شاید جذبات مجھے بھی کہیں سے کہیں لے گئے۔ مَیں یہ مضمون بیان کر رہا تھا کہ ابراہیمؑ جس نے اپنے بیٹے کی قربانی خدا کے لئے پیش کی وہ دیوانہ نہیں تھا۔ کیونکہ خدا اس کو حَلِیْمٌ کہتا ہے جس کے معنے دانا کے ہیں[۵۹]۔ اور وہ جذبات سے عاری نہیں تھا اور سنگدل نہیں تھا کیونکہ خدا اسے اَوَّاہٌ

کہتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اس کے جذبات نہایت ہی اُبھرے ہوئے اور نازک تھے[۹]۔ اور یہی وہ سبب ہیں جن کے ماتحت انسان ان فطرتی تقاضوں کو بھول جاتا ہے جن کو پورا کرنا ہر انسان کی فطرت کا جزو ہے۔ پس جب ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی تو اس کے دلی جذبات کا اندازہ بہترین محبت کرنے والے ماں باپ کے جذبات سے کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیم ان محبت کرنے والے اور ان دُکھ اٹھانے والے ماں باپ سے جُدا قسم کا انسان تھا جو اپنے بچے کی ایک ذرا سی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتے بلکہ لوطؑ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ اپنے تو الگ رہے وہ بیگانوں کا دُکھ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب تم لوطؑ کے واقعہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہوئے اس حساس دل کا خیال کرو جو دشمن کی تکلیف بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔ اور اس کے آرام کے لئے بھی خدا سے جھگڑتا تھا کہ جبکہ اس نے شدید ترین دشمنانِ مذہب اور خود اپنے خاندان کے اشد ترین مخالفوں کی تباہی کی خبر سُنکر ساری رات خدا سے جھگڑے میں گذار دی اور قدم بقدم اس کے رحم سے اس اس طرح اپیل کی کہ خدا کے رحم کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ اور وہ تب تک خاموش نہ ہوا جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو گیا کہ رحم کی اب کوئی بھی صورت باقی نہیں رہی۔ اس ابراہیمؑ کو جب اس کے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تو جس ابراہیمؑ نے دشمنوں کی ہلاکت کے لئے ساری رات خدا سے بحث کی تھی اپنے بیٹے کے متعلق اس نے ایک لفظ بھی تو نہیں کہا اور فوراً لبیک کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ حج کے دن حاجی لبیک لبیک لاشریک لک لبیک[۱۰] کے نعرے لگاتے ہوئے خانۂ کعبہ اور وہاں سے منیٰ کی طرف جاتے ہیں وہ اسی نظارہ کی تمثیل ہوتی ہے گویا وہ ابراہیمؑ کی نقل کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اپنے مونہہ سے اقرار کر رہے ہوتے ہیں کہ جس وقت خدا نے اس سے کہا اے ابراہیمؑ اپنے بیٹے کی قربانی کر تو اس نے قربانی کے وقت کا انتظار نہیں کیا بلکہ اس خیال سے کہ اس حکم کے سننے اور قربانی کے پیش کرنے میں جو دیر لگے گی۔ وہ میرے ربّ کو گراں نہ گذرے۔ اس نے اسی وقت سے پکارنا شروع کیا لبیک لبیک لاشریک لک لبیک۔ اے میرے ربّ مَیں حاضر ہوں اے ربّ مَیں حاضر ہوں تیرا اور کوئی شریک نہیں ہے۔ اے خدا! مَیں پھر کہتا ہوں کہ مَیں حاضر ہوں اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کے قربانی کے مطالبہ کو پورا کرنے میں اسی والہانہ رنگ سے کھڑا ہوتا ہے۔ جیسا ایک سخی انسان جو درد مند دل رکھتا ہے کسی پیاسے کی آواز سُنکر جو شدتِ پیاس سے کراہ رہا ہو دُور سے چلاتا ہے کہ مَیں پانی لا رہا ہوں! پانی لا رہا ہوں! تا اسے انتظار کی مزید تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ یہ کیسا دردناک نظارہ اور عشق کا مظاہرہ ہے۔ پیش تو ایک لڑکے

کی جان کرنی ہے اور وہ بھی اکلوتا لڑکا۔ اور اکلوتا لڑکا بھی وہ جو بڑھاپے میں پیدا ہوا تھا اور جس
کے بعد کسی اور لڑکے کے پیدا ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اسے پیش اس طرح
کیا جاتا ہے جیسے ایک پیاسے کو پانی کا گلاس دیا جاتا ہے یا بھوکے کو کھانا دیا جاتا ہے۔ لوگ آجکل
چھوٹی چھوٹی باتوں اور چھوٹی چھوٹی قربانیوں کے بعد جب ان قربانیوں کے پیش کرنیوالے
اپنی قوم کی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں تو بے اختیار ہو کر نعرے لگاتے ہیں کہ فلاں شخص زندہ باد
مگر ابراہیم نے جو کام کیا اس کے مقابل پر یہ لوگ حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں کہ ان کے لئے زندہ باد
کے نعرے لگائے جائیں۔ اور تم جانتے ہو کہ یہ عید دوسرے لفظوں میں خدا تعالےٰ کی آواز ہے
جو مسلمانوں کے ذریعہ سے تمام دنیا پر سے ایک وقت میں بلند کی جاتی ہے اور جس کا اگر تمثیلی
زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اُردو میں اس کے لئے یہی الفاظ ہوں گے کہ ابراہیمؑ زندہ باد۔

ہم جب اس عید کے موقع پر کپڑے بدلتے ہیں، نہاتے ہیں، ایک مجمع میں جمع ہونے کے لئے
تیاری کرتے ہیں تو گویا روحانی طور پر ہم اس امر کی تیاری کرتے ہیں کہ ابراہیمؑ کی رُوح کا
استقبال کریں گے اور جب ہم نماز میں کھڑے ہو کر تکبیریں کہتے ہیں[۱۱] تو دوسرے الفاظ میں
ابراہیمؑ کی قربانی کے موقعہ پر اپنے ہدیۂ تبریک پیش کرنے کی تکبیریں ہوتی ہیں کیونکہ اسلامی
طریق کے مطابق جب کوئی شاندار نظارہ نظر آئے جس میں خدا کا جلال ظاہر ہو تو اس
وقت تکبیر کہی جاتی ہے[۱۲]

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جنگِ احزاب[۱۳] کے موقعہ پر دشمنوں کی
کثرت کی وجہ سے ایک خندق کے کھودنے کی ضرورت پیش آئی تھی تاکہ دشمن رات اور دن
کسی وقت بھی چھاپہ نہ مار سکے۔ کیونکہ مسلمانوں کی فوج اتنی تھوڑی تھی کہ وہ چوبیس گھنٹے ہر مقام
کا پہرہ نہیں دے سکتے تھے۔ تب آدمیوں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک خندق کھودی گئی تاکہ
تھوڑے آدمیوں کے ذریعہ بہت آدمیوں کا کام لیا جا سکے۔ جب وہ خندق کھودی جارہی تھی
تو ایک جگہ پر ایک پتھر نظر آیا جسے باوجود کوشش کے صحابہؓ نہ توڑ سکے۔ اور انہوں نے رسول کریم
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ ایک چٹان ایسی آگئی ہے کہ اسے توڑا نہیں جا سکتا
اور خندق مکمل نہیں ہوسکتی۔ تب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس جگہ پر تشریف
لے گئے اور فرمایا کہ کدال میرے ہاتھ میں دو۔ اور آپؐ نے زور سے کدال اس چٹان پر ماری ایسے زور
سے کہ لوہے اور پتھر کے آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے ایک آگ کا شعلہ نکلا۔ آپؐ نے فرمایا
اللہ اکبر اور سارے صحابہؓ نے ساتھ کہا اللہ اکبر۔ پھر آپؐ نے دوسری دفعہ کدال اُٹھائی اور
اپنے پورے زور سے پھر وہ کدال چٹان پر ماری۔ اور پھر اس میں سے آگ کا ایک شعلہ نکلا اور

پھر آپ نے فرمایا اللہ اکبر۔ اور سب صحابہؓ نے ساتھ ہی کہا اللہ اکبر۔ پھر آپ نے تیسری دفعہ کدال اٹھائی اور اپنے پورے زور سے کدال پتھر پر ماری اور پھر اس میں سے ایک شعلہ نکلا اور پھر آپ نے فرمایا اللہ اکبر۔ اور صحابہؓ نے بھی اسی طرح زور سے آواز دی اللہ اکبر۔ اس تیسری ضرب سے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور صحابہؓ نے خندق کو مکمل کر لیا۔ تب رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ تم نے تین دفعہ تکبیر کے نعرے مارے ہیں، تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی نقل کی۔ آپ نے بھی تین دفعہ اللہ اکبر کہا تھا، سو ہم نے بھی آپ کی نقل میں تین دفعہ تکبیر کے نعرے لگائے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے تکبیر کیوں کہی تھی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب میں نے پہلی دفعہ کدال ماری اور اس پتھر میں سے آگ کا شعلہ نکلا تو میں نے اس شعلہ میں یہ نظارہ دیکھا کہ اسلامی فوجوں کے سامنے روما کی حکومت کی فوجیں تہ و بالا کر دی گئیں۔ اور میں نے اس موقعہ کے مناسب حال اللہ اکبر کہا۔ پھر جب میں نے دوسری دفعہ کدال ماری اور پتھر کی چٹان میں سے آگ کا شعلہ نکلا تو مجھے یہ نظارہ دکھایا گیا کہ اسلامی سطوت کے سامنے کسرائے ایران کے قصر پر زلزلہ آگیا ہے اور اس کی شوکت توڑ دی گئی ہے۔ تب میں نے اس کے مناسب حال تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اور جب میں نے تیسری دفعہ کدال پتھر پر ماری اور پھر اس میں سے ایک شعلہ نکلا تو مجھے یہ نظارہ دکھایا گیا کہ حمیر کی طاقت اور قوت اسلام کے مقابلہ میں برباد کر دی گئی۔ تب پھر میں نے خدا کی بڑائی بیان کی اور تکبیر کا نعرہ لگایا۔ صحابہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! پھر جس بات پر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی تکبیر کہی[۱۵]

اس مثال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی آداب ہیں کہ جب کوئی خدا کا جلال ظاہر ہو تو مومن اس پر بلند آواز سے اللہ اکبر کہتا ہے۔ سو ہم عید کی نماز میں جو بہت سی تکبیریں کرتے ہیں بلکہ ایام تشریق میں برابر تکبیر بلند کرتے رہتے ہیں[۱۶] تو گویا ابراہیمؑ کی قربانی کے لئے اپنے جذبات استحسان کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے مونہوں سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے ابراہیمؑ کی قربانی میں خدا کی شوکت اور اس کے جلال کو دیکھا مگر کیا یہ ہمارے لئے افسوس کی بات نہیں کہ ہم ابراہیمؑ میں تو خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم اپنے نفس میں خدا کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہم ابراہیمؑ کے ایک مستحسن فعل پر تو اللہ اکبر کہتے ہیں مگر ہمارے دل میں یہ تڑپ پیدا نہیں ہوتی کہ ہم سے بھی کچھ ایسے افعال ظاہر ہوں کہ جنہیں دیکھ کر خدا کے بندے بیتاب ہو کر تکبیریں بلند کریں۔ اور زمین اور آسمان اسی طرح ہمارے افعال کی وجہ سے خدا کی بڑائی سے گونج جائیں جس طرح قانونِ قدرت کے ذریعہ سے وہ تسبیح کے ساتھ گونج رہے ہیں۔ اور یہ کوئی

ناممکن بات نہیں ہے کیونکہ ابراہیمؑ کوئی خدا کا سگا بیٹا نہ تھا اور ہم کوئی سوتیلے بیٹے نہیں ہیں۔ کمی خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کمی ہماری طرف سے ہے۔

دنیا میں عاشق ہاتھ پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں اور معشوق مُنہ پھلائے بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر روحانی دنیا نرالی ہے۔ ہمارا معشوق ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے اور ہم میں سے کچھ بدقسمت ہیں جو مونہہ پھیرے بیٹھے ہیں اگر سُوئے ادبی نہ ہوتی اور انسانی الفاظ خدا تعالےٰ کے لئے استعمال کرنے جائز ہوتے تو میں کہتا۔ اے نادان انسان دیکھ تو سہی، تیرا معشوق تیرا خدا کب سے تیری طرف ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے اتنی دیر سے کہ اتنی دیر میں انسان کی تو رگوں کا خون بھی خشک ہو جاتا ہے۔ مگر وہ تمثیلوں سے بالا ہے، وُہ نقصوں سے پاک ہے، وہ عیبوں سے مبرّا ہے۔ وہ تمہارا منتظر ہے مگر تمہارا انتظار اس کی بادشاہت میں کمی نہیں پیدا کرتا۔ وہ تمہاری طرف بڑھتا ہے مگر تمہاری بے رغبتی اس کی شان میں کمی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ سب نقائص سے پاک ہے۔ اور تمام کمزوریوں سے بالا ہے۔ انسانی زبان اس کی صفات کی حقیقت کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اور انسانی الفاظ اس کی محبت کی کیفیّت کو ادا ہی نہیں کر سکتے۔ وہ عاشقوں کے عشق سے زیادہ جوش والی، وہ ماں باپ کے جذبات سے زیادہ نازک، وہ دوستوں کی دوستی سے زیادہ گرم ہے لیکن پھر بھی وہ اس کی اذیت کا موجب نہیں ہوتی۔ اور اس کی شان کی کمی کا باعث نہیں ہوتی۔ وہ راغب ہو کر بھی بالا ہے اور انسان مستغنی ہو کر بھی ہیٹا ہے۔ وہ متوجہ ہو کر بھی بڑا ہے اور یہ مُنہ پھیر کر بھی چھوٹا ہے کیونکہ اس کی توجہ احتیاج کی توجہ نہیں ہے بلکہ رحم کی توجہ ہے اور اس کی تڑپ کمزوری کی تڑپ نہیں ہے بلکہ علم کی تڑپ اور حلم کی تڑپ ہے۔ مگر انسان ان باتوں کو نہیں دیکھتا۔ وہ قدم آگے اُٹھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ اس بات کا عادی ہو گیا ہے۔ کہ تھیٹروں میں جائے اور جھوٹے بادشاہوں کی شان و شوکت کو دیکھے اور بدبخت یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے گھر میں اس وقت ایک خلعت شاہانہ اور ایک تاج اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے آیا ہوا ہے۔ اور ایک بادشاہت کا پروانہ اس کے لئے لکھا ہوا موجود ہے۔ وہ دوسروں کے ایکٹ دیکھنے پر فدا ہوتا ہے مگر اپنی بادشاہت سے مونہہ موڑ لیتا ہے۔

بدقسمت ہے ایسا انسان۔ کاش اس کی ماں اسے پیدا نہ کرتی کہ وہ اپنے وجود میں انسانیت کے لئے عار ہے بلکہ حیوانات کے لئے بھی باعثِ ننگ ہے کہ وہ بے عقل ہو کر خدا کی تسبیح کو بلند کرتے ہیں لیکن یہ عقلمند ہو کر بھی اس سے غافل رہتا ہے اُسے آنکھیں دی گئیں مگر اس نے ان سے فائدہ نہ اُٹھایا اسے کان دیئے گئے۔ مگر اس نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اسے ناک دیا گیا مگر اس نے

اس سے فائدہ نہ اٹھایا اسے چھونے والا جسم دیا گیا مگر اس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ خدا کی محبت کی شیرینی اس کے سامنے پیش کی گئی مگر یہ بدبخت دنیا کا حنظل کھاتا رہا مگر اس شیرینی سے اس نے مونہہ پھیر لیا۔ مگر اس کا خدا اس سے پھر بھی مایوس نہیں ہے۔ دیکھو وہ کس شان سے اپنے آخری کلام میں فرماتا ہے۔ کہ انسانوں نے میرے نبیوں کا انکار کیا لیکن ان کے انکار نے مجھے نبی بھیجنے سے باز نہیں رکھا۔ مَیں اب بھی نبی بھیجتا ہوں اور نبی بھیجتا رہوں گا۔ وہ ماننے سے انکار کرتے جائیں مَیں بلانے سے نہیں ہٹوں گا اور آخر ان کو کھینچ ہی لاؤں گا۔ کیونکہ مَیں نے ان کو اپنی عبودیت کے لئے پیدا کیا ہے اور میری جنت کا گھر اپنے مکین کے بغیر ویران پڑا ہے۔ خواہ وہ براہ راست آکر اس گھر کو آباد کریں یا دوزخ کے ہسپتال میں سے گذر کر آئیں مگر بہر حال انہیں میرے ہی پاس آنا ہوگا۔ اور مَیں انہیں اپنے پاس لاکر رکھے بغیر نہیں رہوں گا۔ یہ ہے ہمارا محبت کرنے والا خدا۔ ابراہیمؑ نے بڑی نرم دلی دکھائی مگر ابراہیمؑ کے نرم دل کو پیدا کرنے والا بھی ہمارا خدا ہی تھا۔ پس تمام رحم اسی سے ہے اور تمام خوبیاں اسی کی طرف سے ہیں۔ کوئی حُسن نہیں ہے جو اس کی طرف سے نہ آتا ہو۔ سب نیکی اسی سے ہے اور سب نیکی اسی کی طرف جاتی ہے۔ وہ ایک ہے اور باقی سب ایک افسانہ ہے اور کوئی افسانہ بغیر ایک مرکزی نقطہ کے قائم نہیں رہتا۔ پس جب تک ہمارا افسانہ اس نقطۂ مرکزی سے وابستہ ہے وہ ایک حقیقی اور تاریخی افسانہ ہے جب وہ اس سے جدا ہو جائے وہ ایک خیالی افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جس کے لئے کوئی دوام نہیں۔ پس کوشش کرو کہ تمہاری زندگیاں ایک حقیقی اور تاریخی افسانہ بنیں۔ جس طرح ابراہیمؑ کی زندگی ایک حقیقی اور تاریخی افسانہ بن گئی۔ اور اپنے آپ کو خدا سے دُور کرکے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے اپنی زندگیوں کو صرف کرکے ایک بے معنی اور لغو وجود مت بناؤ کیونکہ دائمی زندگی ہی اصل زندگی ہے! اور وہ چیز جو آئی اور ختم ہوگئی محض ایک حیوانی زندگی کا مظاہرہ ہے جس طرح کتے کے مرنے سے دنیا میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس انسان کے مرنے سے بھی کوئی تغیر نہیں ہوتا جس کی زندگی ابراہیمؑ کی طرح خدا کے نور کے گرد پروانہ وار چکر نہیں لگا رہی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم اس عید سے سبق حاصل کریں اور ہمارے دل اس کے آستانۂ محبت کے گرد لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ! لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے اس وقت تک گھومتے رہیں جب تک کہ شمع پروانے کو جلا کر اپنے نور میں غائب نہ کر دے اور ہمارا وجود لَا شَرِیْکَ لَکَ کی بیّن دلیل نہ ہو جائے۔

اس کے بعد میں دعا کرتا ہوں۔ دوست اس میں شامل ہو جائیں لیکن یہ یاد رہے کہ چونکہ

یں زیادہ بیٹھ نہیں سکتا، دعا کے بعد مصافحہ نہیں ہوگا۔ مجھے راستہ دے دیا جائے تاکہ میں گھر واپس جا سکوں۔"

(الفضل ۴ مارچ ۱۹۳۷ء)

لہ۔ ہود ۱۱: ۷۶۔ ۲ہ ہود ۱۱: ۷۷۔ ۳ہ پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۲

۴ہ۔ پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۳ تا ۳۲

۵ہ۔ انسائیکلوپیڈیا ریلیجس اینڈ ایتھکس جلد ۶ صفحہ ۲۴۳۔ صفحہ ۲۵۸

۶ہ۔ الملل والنحل مصنفہ امام شہرستانی جلد ۳ صفحہ ۲۵۴ حاشیہ۔ انسائیکلوپیڈیا ریلیجس اینڈ ایتھکس جلد ۶ صفحہ ۲۷۹، صفحہ ۲۸۰

۷ہ۔ صحیح بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلے اللہ علیہ وسلم من الایمان۔

۸ہ۔ مفردات امام راغب زیر لفظ علم۔ تاج العروس جلد ۸ صفحہ ۲۵۶

۹ہ۔ تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۳۷۷

۱۰ہ۔ صحیح بخاری کتاب المناسک باب التلبیۃ میں پوری تلبیہ یوں درج ہے۔ لَبَّيْكَ! اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اِلَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ! اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ، وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ۔

۱۱ہ۔ تکبیر تحریمہ کے بعد اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جاتی ہیں (جامع ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین۔ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۱۸۲)

۱۲ہ۔ زرقانی شرح المواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الدعا اذا علا عقبۃ

۱۳ہ۔ جنگ احزاب ۵ہ میں لڑی گئی۔ بنو قریش۔ غطفان اور ان کے حلیف اور یہود نے مل کر دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس لئے یہ جنگ۔ جنگ احزاب کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس موقعہ پر چونکہ مدینہ کے ارد گرد ایک خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کا دوسرا نام جنگ خندق بھی ہے۔ مدینہ کے اندر رہ کر دفاع کرنے کے لئے خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

۱۴ہ۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۲۹، زرقانی شرح المواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

۱۵ہ۔ ۱۱۔۱۲۔۱۳ ذی الحجہ کو ایام تشریق کہتے ہیں جن میں ہر فرض نماز کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تکبیر و تحمید کا ورد کیا جاتا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ یہ تکبیرات صرف نمازوں کے بعد ہی نہیں بلکہ دوسرے اوقات میں کہنا بھی مستحب ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۳۵)